© rasailojaraid.com

محمود نظامی

مادیت زدہ مغرب کی مذہبیت

[محمود نظامی (م ۱۹۶۰ء) کا نام اب سننے میں ذرا کم آتا ہے مگر ماضی قریب میں وہ لاہور کی علمی و ادبی زندگی میں بڑے نمایاں تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں اسلامیہ کالج کی "بزمِ فروغ اردو" کے جنرل سیکرٹری تھے اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے چہیتے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے لگ بھگ حلقہ اربابِ ذوق (لاہور) سے وابستہ ہوئے اور اس کے سرکردہ باحثین میں سے ایک تھے۔ محمود نظامی مرحوم تاریخ و تحقیق سے دلچسپی رکھتے تھے مگر اسے بے رنگ اور خشک انداز میں پیش کرنے سے انہیں نفرت تھی۔ ۱۹۳۵ء میں مولانا سیّد سلیمان ندوی کی تالیف "خیام" کے تبصرے میں انہوں نے جو کچھ لکھا تھا، اپنی آخری تحریر تک اسی روش پر قائم رہے۔ سیّد صاحب کے اندازِ تحقیق پر ان کی رائے ہے کہ

> ان کی تحقیق کا انداز بھی عام روش سے علیحدہ ہے یعنی ان کی ریسرچ اس قسم کی نہیں ہوتی کہ فلاں نسخے کے فلاں صفحے پر اتنی مکھیاں مری ہوئی ہیں اور فلاں ورق کو فلاں جگہ سے کیڑوں نے چاٹ لیا ہے بلکہ جو کام کرتے ہیں، بڑی تلاش و جستجو اور چھان بین سے کرتے ہیں اور اپنی فکر و کاوش سے جس نتیجے پر پہنچتے ہیں، وہ بڑی حد تک حتمی ہوتا ہے۔

نظامی مرحوم کو اٹلی، مصر، فرانس، برطانیہ اور میکسیکو جانے کا موقع ملا تو ان ممالک کے دارالحکومتوں کے بارے میں انہوں نے اپنے تأثرات قلم بند کیے۔ ان کے تأثرات ان شہروں کی زندگی کے محض خارجی مظاہر تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ انہوں نے ان کی روح میں جھانکنے کی کوشش کی ہے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے "تاریخ" سے استفادہ کیا ہے مگر اندازِ تحریر تاریخ نگاری کی خشک روش جیسا نہیں۔

انہوں نے روم میں "ویٹیکن" کی سیر کی اور مادیت زدہ مغرب کی مذہب پرستی پر اچھوتے انداز میں اظہارِ خیال کیا۔ ویٹیکن کے بارے میں ان کے سفری تأثرات ابتداءً "روم نامچہ" کے زیرِ عنوان "نئی تحریریں" [لاہور: حلقہ اربابِ ذوق (۱۹۵۴ء)] میں شائع ہوئے تھے جو بعد میں "نظر نامہ" کا حصہ بنے۔ "عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے آئندہ صفحات میں یہ تأثرات درج کیے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظامی مرحوم سے سفری یادداشتوں کے مجموعہ "نظر نامہ" کے ساتھ حسبِ ذیل مرتبہ کتب بھی یادگار ہیں۔

*فروغِ اردو — لاہور: اسلامیہ کالج (جنوری ۱۹۳۵ء)
*ملفوظاتِ اقبال — لاہور: اشاعت منزل (اشاعت دوم: ۱۹۴۹ء)
*عزیزم کے نام — لاہور: ادارہ فروغ اردو (س-ن)]

میں نے سینٹ پیٹرز کی صرف تصویریں دیکھ رکھی تھیں۔ گو ان تصویروں سے اس عظیم الشان گرجے کی عظمت کا پتہ چلتا تھا لیکن مجھے اس کی اصل شان کا اندازہ صرف اس وقت ہوا جب ---میں اسے دیکھنے پیازاوی سان پیترو میں پہنچا۔ مرغولوں اور پیل پایوں کی ایک عظیم الشان دو طرفہ قطار میں گھرے ہوئے اس چوک کے وسط میں نیرو کی وہ سنگی لاٹھ ہے جو عیسائیت کے عروج سے قبل قدیم روم میں خود نیرو کی جلال گاہ کی زینت ہوا کرتی تھی۔ جب ہماری کار پیازاوی سان پیترو کے چوک میں اس لاٹھ کے پاس سے گزر رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ روم کے لاتعداد کھلنڈرے بچے، بیسیوں گپ نواز عورتیں اور متعدد بے فکرے محرابوں کے نیچے پیل پایوں کے سہارے لیٹے یا بیٹھے اپنی خوش گفتاری یا کھیل کود میں مصروف ہیں۔ ہماری کار آگے جا کر عمارت کے بائیں بازو میں وہاں رک گئی جہاں پاپا کے سوِس دستے کا ایک محافظ اپنی رنگا رنگ وردی میں پہرے پر کھڑا تھا۔ ہم کار سے اتر کر ایک بہت وسیع و عریض دالان میں سے گزرتے ہوئے کلیسا کے آہنی پھاٹک سے عمارت کے اندر داخل ہوئے۔

سینٹ پیٹرز دنیا کا سب سے بڑا گرجا ہے، لیکن اندر جا کر انسان کو اس کی مہیب وسعت اور بلندی کا احساس نہیں رہتا۔ بلکہ اس کی توجہ قربان گاہ اور ہیکل کے بیش بہا ساز و سامان، جناب پطرس کی تربت، حضرت موسیٰ کے مجسمے، تاریخی عجائبات، مذہبی تبرکات، دیواروں کی تصویروں، چھتوں کے نقوش اور فنی نوادر میں کچھ اس طرح گم ہو جاتی ہے کہ وہ اصل کلیسا کی وسعت و بلندی سے یکسر بے خبر ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت اسے دنگ کر دیتی ہے کہ اس عمارت کی دلکشی اور اس کا فنی حُسن محض ایک شخص کی مافوق الفطرت استعداد اور قابلیت کا مرہونِ منت ہے۔ گو سینٹ پیٹرز کی دیواروں کی تصویر کاری یفیل کے موقلم کی شرمندۂ احسان ہے لیکن اس کے علاوہ سنگ تراشی، مصوری اور فنِ تعمیر کے باقی تمام نوادر صرف ایک شخص مائیکل انجلو کے کسبِ کمال کی معراج ہیں۔ ان نوادر کی دید سے ناظر کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگتا ہے کہ انسان جو اپنے ادراک و ذکاوت سے فن کے ایسے ابدی نمونوں کی تخلیق کر سکتا ہے بذاتِ خود قدرت کا کتنا بڑا شاہکار ہے۔

مسیحی روم کی ابتدائی کیفیت اسی طرح پردۂ راز میں ہے جس طرح قدیم روم کی حقیقت۔ نیا مذہب شروع شروع میں کمتر درجے کے لوگوں میں پھیلا۔ مشرق سے گمنام مبلغ اسے لے کر روم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئے۔ پطرس کی آمد پر ایک چھوٹی سی جماعت مسیحیوں کی پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد پال بھی پطرس سے آ ملے اور خفیہ خفیہ نئے مذہب کا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔ روم کی حکومت شاید نئے مذہب سے تعرض نہ کرتی لیکن اس نے روم کے مسلمہ دیوتاؤں کے لیے قربانی دینے سے انکار کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد نیرو کی ایما یا اطلاع سے روم میں آگ لگ گئی اور آدھا شہر جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ موقع نیرو کے لیے غنیمت تھا اور اسے اس نئی جماعت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ جن مسیحیوں کو گرفتار کیا گیا ان کے لیے وتیکن کی پہاڑی کے نیچے موت کی سزا تجویز کی گئی۔ اس سزا کا ڈھنگ نیرو نے ایجاد کیا۔ اس رات بہت بڑے پیمانے پر روم میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ شہر کے تمام گلی کوچوں میں جشن کی کیفیت پیدا کی گئی اور پھر جب یہ ہنگامہ اپنے جوبن پر پہنچ گیا تو قیدیوں کو صلیب پر الٹا لٹکا کر ان کے جسموں پر تیل اور مصالحے چھڑکنے کے بعد انہیں آگ دکھا دی گئی۔ ان انسانی مشعلوں کی خوفناک روشنی میں رتھوں کی دوڑیں ہوئیں۔ رؤساء نے ضیافت اڑائی اور عوام جشن کے ہنگاموں میں کھو گئے۔

اس قتل گاہ سے کچھ فاصلے پر پطرس کی لاش وہاں دفن ہے جہاں سینٹ پیٹرز کا کلیسا واقع ہے۔ اس سے ملحق وتیکن کی پہاڑی ہے جہاں وتیکن کا مختصر سا شہر آباد ہے۔ چار دیواری کے اندر گھری ہوئی دنیا کی اس سب سے چھوٹی ریاست کے ایک ہزار نفوس پر پاپائے روم کی حکومت ہے۔ اس ریاست کی اپنی ٹکسال، اپنا ڈاک اور تار گھر، اپنی ریل، اپنا ریڈیو اسٹیشن، اپنی پولیس اور اپنا نظام حکومت ہے۔

روم میں کلیساؤں، خانقاہوں، مذہبی درس گاہوں اور راہب خانوں کی اس قدر افراط ہے کہ اس پر بعض اوقات خالصتاً مذہبی شہر ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ ہو گا جہاں کوئی نہ کوئی ایسی مذہبی عمارت موجود نہ ہو جس کا تعلق عیسائیت کے ابتدائی دور سے نہ ہو۔ گلیوں اور بازاروں میں جابجا حضرت مسیح اور مقدس مریم کے مجسمے کھمبوں پر آویزاں ملتے ہیں۔ جگہ جگہ پادریوں، راہبوں، ننوں اور مذہبی پیشواؤں کی ٹولیاں آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ شام کے وقت جب سورج کی روپہلی کرنیں سینٹ پیٹرز کے استدادِ زمانہ سے سنولائے ہوئے گنبد کی بیرونی لکیر کو سرخ دھاری میں بدل دیتی ہیں تو یک لخت کہیں دور سے شہر کے ہنگاموں پر تیرتی ہوئی گھنٹی کی ایک خوش آہنگ آواز کانوں میں آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک دو تین پانچ دس بیس پچیس پچاس سینکڑوں چھوٹے بڑے گھنٹے اس آواز کا ساتھ دینے کے لیے جاگ اٹھتے ہیں۔ اور پھر یک لخت اسی طرح نغمے کا یہ طوفان بتدریج کم ہوتا ہوا دریائے ٹائبر کی لہروں میں کہیں گم ہو جاتا ہے۔ شہر پر سکون اور خاموشی کا تسلط ہونے لگتا ہے اور مضافات کے باغوں میں انگور کی بیلیں، انجیر اور انار کے درخت اور وادی میں زیتون کے پیڑ نغمے کی صدائے بازگشت سے لپٹ کر نیند کی تیاری کرنے لگتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم ایشیائی عام طور پر اپنے آپ کو مذہب کے بہت دلدادہ خیال کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مادہ پرست مغرب کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں اور وہاں کے لوگوں کے دلوں میں روحانی اطمینان کے لیے کوئی تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ یہ خیال کس قدر بے معنی ہے، اس کا اندازہ مغرب میں جا کر ہی ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں مغرب میں گرجوں کی رونق اور مذہبی مجالس کا اژدہام ہمارے ہاں کی نمازوں اور مجالس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں مذہب حکومت کا ایک اہم جزو متصور ہوتا ہے۔ جہاں کلیسا کے پیشواؤں اور پادریوں کی تعیناتی اور تقرریاں اس طرح ہوتی ہیں جس طرح دوسرے ارباب حکومت کی۔ وہاں کے لوگ تبلیغِ مذہب کے لیے ہم سے کہیں زیادہ چندے دیتے ہیں۔ مبلغوں کو دنیا کے گوشے گوشے میں بھیجا جاتا ہے۔ مذہبی کتابیں چھپوا چھپوا کر مفت تقسیم کی جاتی ہیں اور پھر ہمارے ملا کی نسبت ان کا پادری کہیں زیادہ عزت و توقیر کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ دینی کتب کا تقدس ہمارے صحائف کی نسبت وہاں کہیں زیادہ ہے۔ درود و وظائف، دعائیں اور مناجاتیں، تعویذ اور گنڈے وہاں بھی اسی شد و مد سے چلتے ہیں جیسے ہمارے ہاں۔ وہاں بھی مذہبی پیشواؤں کی کرامتوں اور معجزوں کی حکایتیں ویسے ہی سننے میں آتی ہیں جیسے ہمارے ہاں اولیاء کرام کی روحانی طاقتوں کے قصے۔ شادی بیاہ اور ولادت و موت کے موقع پر پادری کی ضرورت وہاں بھی محسوس کی جاتی ہے، جس طرح ان مواقع پر ہمارے مُلا کی۔ حقیقت میں مذہب کی گرفت سے نہ وہ آزاد ہیں نہ ہم۔ بلکہ تعلیم کی فراوانی کے باوجود اگر وہ اپنی توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی میں ہم سے کم نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں مذہبی توغل ہماری نسبت کہیں زیادہ ہے۔

مجھے یاد ہے، کشمیر کی لڑائی [۱۹۴۷ء] کے زمانے میں کوہالہ کے پل کے بائیں کٹہرے کے سرے پر کاغذوں کا ایک بہت موٹا گٹھا بندھا رہتا تھا۔ یہ ان تعویذوں کا انبار تھا جو آزاد قبائل کے لشکر اپنے علاقہ کے پیروں فقیروں سے کوہالہ پُل کی سلامتی کے لیے لکھوا کر لاتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ پیر کی کرامت اور تعویذ کی برکت سے یہ پُل بھارتی طیاروں کی بم باری سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ اس پُل پر بھارتی طیاروں نے متعدد مرتبہ بم گرائے لیکن یہ تعویذوں کی برکت تھی یا دشمن ہوا بازوں کا اناڑی پن کہ پُل کا بال بیکا نہ ہو سکا۔ اور یوں تعویذوں کی کرامت کے چرچے آزاد علاقے میں گھر گھر پھیل گئے۔ لیکن یہ خوش اعتقادی کچھ آزاد قبائل کے لشکریوں ہی سے مخصوص نہیں۔ مغرب میں بھی اس کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ مجھے روم میں ایک ایسے کلیسا کو دیکھنے کا موقع ملا جہاں حضرت عیسیٰ کا ایک ایسا مجسمہ رکھا تھا جس میں انہیں بچے کی صورت میں دکھایا گیا تھا۔ اس مجسمے کے نام دنیا کے گوشے گوشے سے رومن کیتھولک مسیحیوں کی طرف سے تار اور خط روزانہ موصول ہوتے ہیں۔ پچھلے دو تین روز کے خطوط کا ایک بڑا سا انبار اس کے سامنے رکھا تھا۔ کچھ خط اندرونِ چین، تھائی لینڈ، برازیل، چلی تک سے آئے تھے۔ ان میں خوش عقیدہ لوگوں نے اپنے گھریلو مسائل اور کاروباری مشکلات میں اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آسمانی باپ سے استمداد چاہی تھی۔ مجسمے کے قریب ہی ان تحائف کا ڈھیر بھی موجود تھا۔ جو احسان مند افراد نے اپنی مشکلات کے حل ہو جانے پر بطورِ شکرانہ بھجوائے تھے ان میں سونے چاندی کے زیور، گھڑیاں، پارچہ جات سبھی کچھ شامل تھے۔

مگر میرا یہ خیال کہ مغرب کے مقابلے میں ہم ایشیائی زیادہ مذہب پرست واقع ہوئے ہیں، روم کی سیر سے تین ماہ قبل ٦ جنوری ہی کو بدل چکا تھا۔ اس دن میں نے ایک ایسا منظر دیکھا تھا جس کی دید سے مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ خدا کی یاد کچھ ہمارا ہی حصہ نہیں۔ وہ دن جنرل آئزن ہاور کی مسند نشینی کا تھا۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ مسند نشینی میں جو امریکہ کی سیاسی زندگی اور اس کے مادی معاملات کا حصہ ہے، مذہبی رنگ کو کس قدر دخل ہو گا۔ اس دن میں نے واشنگٹن میں عقیدت اور خشوع و خضوع کے جن جذبات کے اظہار کو دیکھا وہ میرے لیے ایک بالکل نیا تجربہ تھا۔

حقیقت میں مسند نشینی کی اصل اور آئینی رسم تو محض یہی ہے کہ چیف جسٹس کے روبرو انجیل پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھایا جائے کہ نیا صدر اپنے عہد میں ملک کے آئین کی پاسبانی کرے گا، اپنے وطن اور ملک و ملت کے مفاد کی نگہداشت کرے گا اور ان لوگوں کی خدمت کی بجاآوری میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے گا جنہوں نے متفقہ طور پر اسے اپنے ملک کے سب سے بڑے منصب کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ لیکن اس آئینی رسم کی ادائیگی کا آغاز چیف جسٹس کے الفاظ سے نہیں بلکہ واشنگٹن کے رومن کیتھولک لاٹ پادری کی اس دعا سے ہوا جس کا ایک ایک لفظ خدائے بلند و بالا کی بزرگی اور برتری، اس کی قدرت اور قادریت کا معترف تھا۔ جب لاٹ پادری نے خدا سے اس شخص کی کامرانی اور کامیابی کے لیے دعا کی جو چند ساعتوں میں امریکہ کی صدارت کی ہمہ گیر ذمہ داریوں کو سنبھالنے والا تھا تو مجھے اس مجمع میں خشوع و خضوع کی ایک ایسی بے پناہ کیفیت دکھائی دے رہی تھی جو مذہب کی اہمیت کو تسلیم کرنے والے لوگوں کی جماعت ہی میں پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ وہ ہجوم تھا جس کے افراد کے جھکے ہوئے سر اپنے احساس بندگی سے اور جس کے غور و فکر میں ڈوبے ہوئے چہرے اپنے اعتراف بے چارگی سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ وہ اس وقت کیپٹول کے وسیع و عریض علاقے میں نہیں بلکہ کسی اور ہی دنیا میں ہیں۔ ایسی دنیا میں جہاں وہ سب اپنے ملک و ملت کی طاقت اور امارت کے باوجود ایک ان دیکھی ہستی کے سامنے چپ چاپ کھڑے اس کی مدد کو پکار رہے ہیں۔ اس کی برکت کو طلب کر رہے ہیں کہ ان کی زندگی کا یہ اہم دن آنے والی نعمتوں کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ اس موقع پر میری نظریں بے اختیارانہ طور پر سابق صدر ٹرومین کے چہرے پر گئیں۔ مجھے یوں دکھائی دیا گویا وہ غور کر رہے ہیں کہ کیا ان کے عہدِ حکومت کو بھی خدا کی برکتیں میسر آئی تھیں اور پھر میں نے آئزن ہاور کو دیکھا۔ ان کا چہرہ حد درجہ بے چین اور مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔ گویا وہ بے حد متفکر اور پریشان ہیں کہ کیا خدا کی ذات ان کے نئے منصب کے فرائض کی ادائیگی میں ان کی ناصر و حامی ہو گی؟ اور جب پادری نے کہا کہ خداوند تیرے روبرو اس مجمع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تیرا حقیر بندہ آئزن ہاور کھڑا ہے۔ تو جانتا ہے اسے ملک کی قیادت کے لیے منتخب کرنے میں تیرے سولہ کروڑ بندوں نے کتنے غور وخوض، کتنی سوچ بچار سے کام لیا ہے۔ لیکن اگر اس انتخاب کو تیری برکت نے نہیں نوازا تو ہم تیرے حضور گڑگڑاتے ہیں کہ تو اپنے رحم وکرم سے ہمارے فیصلے کو اب ہمارے ملک وملت کے لیے فخر ومباہات کا موجب بنا دے۔ ہم اپنی کم فہمی کے اعتراف میں اپنے سر کو تیرے حضور میں جھکائے تیری مدد کو پکارتے ہیں کہ تو اس فیصلے کی لاج رکھ لے۔ خداوندا اگر تیرے اس ملک کی سولہ کروڑ آبادی میں ایک بھی ایسا خوش نصیب فرد ہے جس کے کسی ایک عمل نے تیری خوشنودی حاصل کی ہے تو ہم تجھے اس نیکی کا واسطہ دیتے ہیں کہ تو اپنے اس حقیر بندے آئزن ہاور کو اپنے کرم اور اپنی عنایات سے سرفراز فرما، تاکہ اس کے ہوش وخرد میں ایسی تیزی اور اس کے قواء میں ایسی طاقت پیدا ہو سکے کہ وہ نیکی اور شرافت، عزم اور جرأت سے مصائب اور تفکرات کے اس تاریک دور میں تیرے بندوں کی صحیح رہنمائی کر سکے، تو مجھے یوں محسوس ہوا گویا یہ تمام مجمع، تمام واشنگٹن، تمام امریکہ، تمام کائنات اس قادرِ مطلق کے حضور میں سہمی ہوئی کھڑی ہے۔ جس کے نام ہی سے ہر کام کا آغاز ہوتا ہے، جس کے حکم ہی سے ہر کام سرانجام پاتا ہے، اور جس کی خوشنودی ہی سے ملکوں اور ملتوں کی قسمتیں چمکتی ہیں۔

اور پھر میں سوچنے لگا کہ خدا کو مدد کے لیے پکارنے میں کچھ ہم ایشیائیوں ہی کا اجارہ نہیں۔ اور میں نے جب ایک مرتبہ پھر امریکہ کے ان عوام پر ایک نظر دوڑائی جو اس وقت پادری اور مسٹر آئزن ہاور کے ساتھ خدا کے حضور سر جھکائے کھڑے تھے۔ تو یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ جب بھی موقع اور محل نازک ہوتے ہیں تو انسان کا سر خود بخود اپنے خالق کے حضور جھک جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com